صدارتی نظام کی شرعی حیثیت

جناب محمد امین صاحب

(۲)

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس وقت جو سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات ہیں ان کو صحابہ کرام کے زمانے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ خلافتِ راشدہ کے وقت جو سیاسی نظام تھا اس کے شکل پذیر ہونے اور کامیابی سے چلنے میں جو عناصر کارفرما تھے وہ یہ تھے:

— معاشرہ سادہ اور پیچیدگیوں سے مبرا تھا۔[۱]

— عام لوگوں میں ایمان کا گہرا شعور موجود تھا جس نے انہیں بے خوف اور نڈر بنا دیا تھا۔ وہ حکام سے دبتے تھے اور نہ ڈرتے تھے بلکہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق آزادیٔ رائے کا حق استعمال کرتے تھے اور بوقت ضرورت حکمران کی مخالفت کرتے تھے۔[۲]

---

[۱] ڈاکٹر ثروت بدوی کا کہنا ہے (النظم السیاسیۃ ص ۴۰۶) کہ ابتدائی معاشروں میں عموماً ترکیزِ سلطت کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ عربوں میں قبائلی نظام رائج تھا جس میں زیادہ تر اختیارات قبیلہ کے سردار کے پاس ہوتے تھے، نیز عربوں کے گرد و پیش بادشاہت بھی ایک نظامِ حکومت کے طور پر موجود تھی۔

[۲] اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے کم مہر مقرر کرنا چاہا تو ایک عورت نے انہیں ٹوک دیا کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ خلاف قرآن ہے۔ اسی طرح (باقی بر صفحہ آئندہ)

— حکام متقی اور خوفِ خدا رکھنے والے تھے، اپنے آپ کو عام لوگوں سے برتر نہ گردانتے تھے اور اپنے آپ کو عام لوگوں کے سامنے جواب دہ سمجھنے سے پہلے خدا کے حضور جواب دہ سمجھتے تھے [۱]

— عام لوگوں کو حکمرانوں پر پورا پورا اعتماد تھا، وہ ان کے اخلاص فی الدین، ان کے زہد و تقویٰ اور بے غرضی نیز دنیاوی امور میں ان کے فہم و تدبر پر کامل یقین رکھتے تھے۔

— عوام اور حکمران دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر شریعت کی پیروی کے حریص تھے اور قانونِ شریعت کو صحیح معنوں میں اپنی زندگیوں میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے تھے اور اس کی مکمل بالادستی کو تسلیم کرتے تھے [۲]

(حاشیہ صفحہ سابق)

ایک بدّو نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ اگر تم ٹیڑھے چلے تو ہم اپنی تلواروں سے تم کو سیدھا کر دیں گے اور ایک دوسرے موقع پر ایک صحابی نے ایک پبلک اجتماع میں آپ کو کہہ دیا کہ ہم تمہاری اطاعت نہیں کریں گے جب تک تم یہ نہ بتا دو کہ تم نے اپنی قمیص کا کپڑا بغیر استحقاق کے تو بیت المال سے نہیں لے لیا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دجلہ کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی بھوک سے مرگیا تو مجھ سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور جب ایک بدو نے انہیں کہا کہ اگر تم ٹیڑھے چلے تو ہم اپنی تلواروں سے تم کو سیدھا کر دیں گے تو حضرت عمرؓ نے اسے ڈیفنس رولز یا کسی سیفٹی ایکٹ کے تحت جیل بھجوانے کی بجائے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو غلط روی کی صورت میں ان کو سیدھا کر سکتے ہیں۔

[۲] اس کی مثال یہ ہے کہ لوگوں سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو وہ خود چل کر آجاتے کہ ہمیں سزا دی جائے۔ اور جب مہر کے معاملے میں ایک عورت نے حضرت عمرؓ (باقی برصفحہ آئندہ)

اب آپ موجودہ حالات کا تجزیہ کر کے دیکھئے کہ کیا یہ عناصر ہمارے آج کے معاشرے میں موجود ہیں؟

— عوام کے دینی شعور کی کیفیت یہ ہے کہ وہ خلافت راشدہ کے عشر عشیر بھی نہیں رہا نیز اس وقت سے لے کر آج تک حکمرانوں کے ظلم وستم نے انہیں بحیثیت مجموعی نڈر اور بے باک نہیں رہنے دیا۔

— حکمرانوں کی کیفیت یہ ہے کہ تقویٰ اور زہد تو دور رہا وہ برسرِ عام گالیاں دینے اور یہ اعلان کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے کہ وہ شراب پیتے ہیں۔

— شریعت کی بالادستی کا یہ عالم ہے کہ نمازی اور حاجی حکمران بھی یہ زعم رکھتے ہیں کہ "اختیار کُلی" وہ خود ہیں اور اپنے بنائے ہوئے فوجی قانون کو شرعی قانون پر غالب رکھتے ہیں۔

— آج اسلامی ممالک میں سے اکثریت کی یہ حالت ہے کہ عوام اور حکمران ایک دوسرے سے دور ہیں، اُن کے درمیان ہم آہنگی نہیں کشمکش ہے، عوام کا کوئی طبقہ اگر معاشرے میں اسلامی رنگ لانا بھی چاہتا ہے تو حکمران اسے اپنا دشمن سمجھنے اور اسے ملیامیٹ کرنے کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہیں۔

— مشینی اور الیکٹرانک دور نے زندگی کو پیچیدہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ ممالک کی آبادی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

کو ٹوکا تو آپ نے بے ساختہ کہا "عورت نے ٹھیک کہا اور عمر سے غلطی ہوئی" اور جب حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت عمرؓ نے اُن کے سامنے لوگوں کی یہ رائے پیش کی کہ لشکر اسامہؓ کو نہ بھیجا جائے کیونکہ فوجی قوت کے منقسم ہو جانے اور مدینہ پر حملے کا اندیشہ ہے اور اگر لشکر بھیجنا ہی ہے تو کسی بڑے سردار کی زیر سرکردگی بھیجا جائے تو حضرت ابوبکرؓ جیسا عمر رسیدہ، مدبر اور حلیم الطبع آدمی بپھر گیا اور فرمایا "اے عمر! تیری ماں روئے، رسول اللہ نے اُسے مقرر فرمایا اور تم مجھے کہتے ہو کہ اسے ہٹا کر دوسرا آدمی بھجوا دوں۔ خدا کی قسم یہ لشکر اسامہؓ کی زیر سرکردگی جائے گا خواہ درندے مدینے میں گھس کر مجھے اُٹھا لے جائیں"۔ (ابوبکر الصدیقؓ للشیخ علی الطنطاوی صفحہ ۱۸۷)۔

کی تعداد اور ریاست کا دائرہ کار پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے اور فنِ حکمرانی ایک سائنس بن چکا ہے۔ معاشی مسائل، معاشرتی حالات، لوگوں کے ذہنی اور فکری رویے، ان کی عادتیں اور رسم و رواج وہ نہیں رہے جو آج سے چودہ سو سال پیشتر تھے۔ قبائلی نظام اور بادشاہت بطور ایک نظام حکومت کے تقریباً ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ جمہوریت کا غلغلہ ہر کہیں بلند ہو رہا ہے۔

ان حالات میں موجودہ معاشرے کو خلافتِ راشدہ کے زمانے پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے اور شکلی لحاظ سے جو نظام اس وقت رائج تھا اُسے ہو بہو کیسے آج کی سوسائٹی میں نافذ کیا جاسکتا ہے؟ جن عناصر نے اسے ایک کامیاب سیاسی نظام بنایا تھا جب وہ عناصر ہی سرے سے مفقود ہیں تو آج اگر اُسے نافذ کر بھی دیا جائے تو وہ بالکل اُلٹ نتائج کیوں پیدا نہیں کرے گا؟ آج بھی اگر حکمران حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے ہوں تو اُن کو زیادہ اختیارات دیئے جانے کی حمایت کی جاسکتی ہے، لیکن اس وقت جیسے حکمران ہمیں میسر ہیں اور جو حالات ہمیں درپیش ہیں اُن میں کسی ایک آدمی کو زیادہ اختیارات دینے کا کوئی جواز آخر شریعت سے کیسے ڈھونڈا جاسکتا ہے؟ یہ حالات تو اس امر کے متقاضی ہیں کہ آج کے مجتہدین ان حالات و ظروف کی روشنی میں سیاسی نظام کا نیا ڈھانچہ بنانے کے لیے نئے سرے سے اجتہاد کریں[1]۔ اور اس کی بنیاد تقسیم اختیارات پر رکھیں تاکہ کسی حکمران کو ظلم و جبر کا موقع نہ ملے اور وہ عوام کے سامنے جواب دہ بھی ہوں۔

جہاں تک اجتہادی اُمور میں تحقیق المصالح، سدّ الذرائع اور مقاصد الشریعہ جیسے فقہی قاعدوں کا تعلق ہے تو یہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ تحقیق المصالح کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصوص

---

[1] امام قرافی نے ایسے حالات میں نئے اجتہاد کو جائز ہی نہیں بلکہ انتہائی ضروری قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ایسا نہ کرنا خلافِ اجماع اور دین میں جہالت کے مترادف ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ایسے اجتہاد کے لیے مجتہد مطلق کی بھی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب الاحکام للقرافی صفحہ ۲۲۱ و ۲۳۲۔

اُمور میں ایسے اجتہادی فیصلے کیے جائیں جو مسلمانوں کے مصالح کو پورا کرنے والے ہوں اور ان کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنے والے نہ ہوں - سدّالذرائع کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسے فیصلے سے گریز کیا جائے جو فتنے اور فساد کا سبب بن سکتا ہو اور مقاصد الشریعہ کے قاعدے کا مطلب یہ ہے کہ فیصلے اس طریقے سے کیے جائیں کہ ان سے مقاصد الشریعہ بالعموم پورے ہوں اور وہ شریعت کے مقاصدِ عامہ سے متصادم نہ ہوں - اب ان امور کے نقطہ نظر سے دیکھیے اور غور کیجیے کہ کیا ہمیں ایک ایسے سیاسی نظام کی ضرورت ہے جس میں زیادہ تر اختیارات ایک آدمی کے پاس ہوں یا اس کے بالکل برعکس کسی ایسے نظام کی ضرورت ہے جس میں زیادہ تر اختیارات ایک آدمی کے پاس نہ ہوں -

خلافت راشدہ کے بعد سے لے کر طویل صدیوں پر پھیلے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی نظام کا ایک طائرانہ جائزہ لیجیے اور بتائیے کہ جس چیز نے مسلمانوں کو مصیبت اور فتنے میں ڈالا ہے وہ یہ امر تھا کہ حکمران جابر، مستبد اور ضرورت سے زیادہ بااختیار تھے یا اس چیز نے ڈالا ہے کہ حکمرانوں کے پاس اختیارات کی کمی تھی اور مجلس شوریٰ یا عدلیہ یا دوسرے کسی ادارے نے ان کو نڈھال کر رکھا تھا - اور اس کے بعد ذرا ایک نظر اپنے موجودہ حالات کا بھی جائزہ لے لیجیے کہ اس وقت رُوئے زمین پر جتنے مسلمان ممالک ہیں ان کی مشکل آیا یہ ہے کہ ان میں حکمرانوں کے پاس زیادہ اختیارات نہیں، یا ان ملکوں میں مسلمان عوام کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان کے حکمران ضرورت سے زیادہ بااختیار ہیں، فوج اور پولیس کی قوت سے ان پر حکمرانی کر رہے ہیں اور کسی کو ہلنے اور بولنے کی اجازت نہیں دیتے -

اس کے ساتھ ہی پاکستان کے مخصوص جغرافیائی اور سیاسی حالات کو سامنے رکھ کر سوچیے - مملکت پاکستان پہلے دو سیاسی، انتظامی، لسانی اور جغرافیائی وحدتوں پر مشتمل تھی - طرزِ حکومت ایسا تھا کہ اختیارات ایک آدمی کے ہاتھ میں تھے اور جب کئی برس ایک ہی "مضبوط" آدمی برسرِاقتدار رہا جس کا تعلق ایک صوبے سے تھا تو لامحالہ دوسرے صوبے میں احساسِ محرومی پیدا ہوا جس کو اچھالا اور بڑھایا گیا حتیٰ کہ ملک ٹوٹ گیا - موجودہ

بچا کھچا پاکستان بھی چار انتظامی، سیاسی، جغرافیائی اور لسانی وحدتوں پر مشتمل ہے اور یہ وحدتیں آبادی، وسائل، زبان اور معاشرت کے نقطۂ نظر سے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔ کمیونسٹ، انتہاپسند اور نظریہ پاکستان کے اندرونی و بیرونی دشمن اس گھات میں لگے بیٹھے ہیں کہ کہیں چنگاری نظر آئے تو وہ اُسے شعلہ بنائیں، جیسا کہ حال ہی میں سندھ کے واقعات نے یہ ثابت بھی کر دیا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمیں ایک ایسے طرزِ حکومت کی ضرورت ہے جس میں اختیارات ایسے اداروں کے پاس ہوں جنہیں سب صوبوں کے لوگ خود چلائیں۔ اور ایسا نظام ہمارے لیے تباہ کن ثابت ہوگا جس میں اختیارات زیادہ تر ایک آدمی کے ہاتھ میں ہوں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کا تعلق ایک ہی صوبے سے ہوگا اور دوسرے صوبوں کے فتنہ پردازوں کو لوگوں کے احساسِ محرومیت کو ایکسپلائٹ کر کے فتنہ پھیلانے اور انتشار پیدا کرنے کا موقع ملے گا۔

پاکستان سمیت مسلم ممالک کی سیاسی صورتِ حال کا جو نقشہ ہم نے ابھی ماضی کے تجربات کی روشنی میں کھینچا ہے کیا اس کے تجزیے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہمارے ہاں نظامِ حکومت ایسا ہونا چاہیے جہاں ایک مضبوط شخص کے بجائے حکومت کے اختیارات متعدد آدمیوں اور اداروں کے ہاتھ میں ہوں تاکہ کوئی شخص اپنی من مانی نہ کر سکے۔ کیا فوجی جرنیلوں نے عسکری قوت کے بل پر جعلی انقلاب لانے کا جو سلسلہ مسلم ممالک میں شروع کر رکھا ہے اور اسے ختم کرنے کا وہ نام نہیں لیتے، اور اس کو بدلنے کے لیے عوام کو جان سے کشمکش کرنی پڑتی ہے اور اس سے جو خون بہتا ہے اور فتنہ و فساد بڑھتا ہے تو کیا "سد الذرائع" کا کلیہ اس امر کا متقاضی نہیں ہے کہ اس سلسلے کو ختم کیا جائے۔ اور ایسے ادارے بنائے جائیں اور انہیں مضبوط کیا جائے جو عوام کی رائے سے پُرامن انتقالِ اقتدار کا سبب بنیں اور ان اُمور کا فیصلہ ایک بااختیار آدمی کے ہاتھ میں نہ ہو۔

اسی طرح اسلامی شریعت کی تطبیق اور اسلامی نظامِ زندگی کی بحالی کے نقطۂ نظر سے سوچیے تو کیا شریعت کے مقاصد اس طرح پورے ہو سکتے ہیں کہ اکثر اختیارات ایک آدمی کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں۔ اگر وہ اچھا ہو تو سبحان اللہ، لیکن اگر وہ بُرا ہو تو پھر اس کا

علاج کیا ہوگا؟ کیا اس کے بجائے بہتر نہیں کہ شریعت کی تطبیق اور نفاذ کے لیے ایک مضبوط آدمی پر انحصار کرنے کے بجائے ایسے اداروں پر انحصار کیا جائے جس میں افراد خواہ طاقت ور نہ ہوں اور آتے جاتے رہیں، لیکن یہ ادارے ایک طویل منصوبہ بندی کے تحت مقاصدِ شریعت کو پورا کرنے کے لیے تدریج کے ساتھ کام کرتے رہیں اور ان کے اثرات بھی دیرپا نکلیں۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ آج نہ ہمارے حکمران حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے ہیں اور نہ ہمارے ہاں اُس وقت کے عوام کی طرح ہیں تو کیا اس کا یہ حل مناسب نہیں ہے کہ اختیارات ایک آدمی کو دینے کے بجائے تقسیمِ اختیارات کے فارمولے پر عمل کیا جائے تاکہ کسی کو جابر اور ظالم بننے کا موقع ہی نہ ملے!

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ موجودہ حالات میں جو امر عام مسلمانوں کے بالعموم اور ہم پاکستانیوں کے مفاد کے بالخصوص عین مطابق ہے، اور جو طرزِ حکومت ان کے بہترین مفاد میں ہے، وہ ایک ایسا نظام ہے جس میں اکثر اختیارات ایک آدمی کے پاس نہ ہوں، بلکہ مختلف اداروں کے پاس ہوں جنہیں چلانے میں عام باشندگانِ ملک اور انتظامی وحدتیں برابر کی شریک ہوں؛ اور یہ ادارے ایک دوسرے کے اختیارات کی نگرانی کرتے رہیں تاکہ کوئی ایک عنصر دوسرے پر حاوی نہ ہو سکے، جس میں آدمی آتے جاتے رہیں اور یہ ادارے طے شدہ طریقے سے قومی اور دینی مقاصد کے لیے کام کرتے رہیں۔ اور یہ ادارے دیرپا ہوں، آدمی اُن کو ختم نہ کریں، بلکہ یہ آدمیوں کو جنم دیں، اُن کی تربیت کریں اور انہیں قومی مقاصد کے لیے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیں۔ "ھٰذا ما عندنا والعلم عند اللہ"